OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

سیاسی امور سے متعلق اسلامی اخلاقیات: وائل حلاق کے افکار کا مطالعہ

Islamic Ethics in Political Matters: A Study of *Wael Hallaq's* Thoughts

Abdul Basit
Instructor Islamic Studies Virtual University Lahore / PhD Scholar Government College University Faisalabad
Zobia Parveen
Lecturer Islamic studies, Virtual university of Pakistan / PhD scholar Sheikh Zayed Islamic Centre, Punjab University Lahore.
Dr. Mahmood Ahmad
Assistant Professor, NCBA&E, D.H.A, Lahore

Abstract

The political and administrative matters must be stable for there to be peace and order in society. A major issue in contemporary countries is the stability of political and administrative activities. Society is deteriorating due to political and legal chaos. The Muslim countries, especially those in Asia, are where it is most noticeable. The world's nations, particularly Muslim societies, are seeing an increase in moral depravity, lack of justice and fairness, oppression and coercion, poverty and bankruptcies, as well as rising unemployment, class separation among people. According to some analysts, the immoral principles of the modern state are the primary cause of this. The contradiction between the application of the modern state and Islamic theory of ethics is growing rapidly in Muslim nations since ethics and religion are intertwined. A new moral philosophy is being sought by non-Muslim countries. As a result, Western intellectuals are hard at work laying the groundwork

CC BY

for postmodernist moral theory.Which moral philosophy in political and administrative issues can successfully lead to the Islamization of the modern state? Is a crucial question for academics and specialists? The ideas of Wael Hallaq can sometimes be useful in this regard. This article presents the moral philosophy of the Islamization of the modern state in light of Hallaq's ideas.

Keywords: Modern State, Islamic Law, Morality, Islamization

تمہید

خاتم النبیین پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال اقدس کے بعد امت مسلمہ کے مسائل کی ابتداء تو سیاسی معاملات سے ہو چکی تھی۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ مقدس اصحاب کی جماعت نے باہم مشاورت واتحاد سے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کے پیش نظر ان معاملات کو سنبھال لیا اور عظیم خلافت اسلامیہ قائم کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خلافت اسلامیہ ملوکیت میں بدلی مابعد ملوکیت، آمریت اور بعد ازاں جمہوریت میں تبدیل ہو گئی۔ نماز روزہ (یعنی عبادات) کی فرضیت وادائیگی کا معاملہ تو عملی سست روی پر چلتا رہا مگر اصل بگاڑ انتظامی وسیاسی امور کی بناء پر اجتماعی سطح پر ہوا۔ اور یہ معاملہ آج تک جاری ہے۔ آج بھی ہم انہی مسائل میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اگرچہ علماء نے سیاسی، فقہی، اوراعتقادی یعنی کلامی مسائل کا ذکر بھی کیا ہے۔[1] مگر ابتداء میں سیاسی امور سے متعلق مسائل ہی سامنے آئے۔ شیخ ابو زہرہ کی کتاب "اسلامی مذاہب" میں اس پر اچھی خاصی بحث کی گئی ہے۔ سیاسی لیڈر شپ (اہل قیادت) کا انتخاب اور انتظامی امور کی بطریق احسن ادائیگی کا مسئلہ سب سے اہم مسئلہ رہا ہے۔ یہاں تک کہ ائمہ فقہاء ومحدثین نے بھی ان معاملات کی نزاکت کے پیش نظر خفیہ واعلانیہ ان امور میں فلاح ملت اسلامیہ کے پیش نظر ہر دور میں حصہ لیا ہے اور بعض صورتوں میں ظلم وستم بھی برداشت کیے ہیں۔ ہماری تاریخ میں ان حالات کی تفصیل موجود ہے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ائمہ، علماء، فقہاء ومحدثین کبھی بھی سیاسی امور سے غافل نہ رہے اور جب جس حال میں ملت اسلامیہ کی فلاح نظر آئی وہ فیصلہ کر لیا اسی لیے بعض اوقات استاد تو حکومت کے زیر عتاب رہا جبکہ شاگرد حکومت کا حصہ بن گیا۔ مقصود فلاح ملت ہی تھا۔ ابو جعفر منصور وہ فرد ہے جس نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر تو ظلم کیے جبکہ موطا امام مالک کو سرکاری سطح پر بطور قانون نافذ کرنے کا ارادہ کر لیا۔[2] مگر انہوں نے منع کر دیا۔ یہاں بادشاہ وقت کا کسی خاص مسلک کی طرف رجحان ومقبولیت عام فراہم کرنے کی کوشش جبکہ دوسرے مسلک کو محدود کرنے کی کاوش نظر آتی ہے مگر علماء نے یہ روش نہ اپنائی ہمارے دور کے علماء کے لیے یہاں سبق موجود ہے۔ عصر حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر اصلاح امت کی کاوش محض عقائد وعبادات اور اخلاقیات تک محدود رکھنے کی بجائے۔ معاملات میں بھی بالخصوص سیاسیات میں بڑھنی چاہیے۔ سیاست یا انتظامی امور کی اصلاح بذریعہ وعظ ونصیحت کی اہمیت سے انکار نہیں مگر عملی طور پر اس میں کیسے حصہ لیا جائے گا؟ کیا مروجہ جمہوری نظام میں فلاح ملت کے لیے مسائل کا حل موجود ہے نیز اس جمہوری نظام کا حصہ بن کر کیا اس نظام کی اصلاح ممکن ہے؟ بظاہر لگتا ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں تو جمہوری نظام کا حصہ بنے بغیر ان امور کی اصلاح کی کوشش کارگر کیسے ہو گی؟ اور مستقبل قریب میں نفاذ شرع کی کونسی صورت ممکن ہو گی؟ یہ انتہائی اہم اور پیچیدہ سوالات ہیں جن کا جواب عصر حاضر کی ناگزیر ضرورت ہے۔ ان کا تفصیلی جواب تو وقت ومحنت طلب امر ہے جس کو قسط وار بعنوان "عالمی اسلامی ریاست (تاریخ، جغرافیہ اور مستقبل)" مبشر نذیر صاحب کے زیر نگرانی Islamic

Intellectual & Research Magazine میں پیش کیا جارہا ہے جسے بعد از تکمیل باقاعدہ کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔[3] (ان شاء اللہ) تاہم یہ آرٹیکل محض اس اصول کے تعارف و تفصیل کی وضاحت کرتا ہے جس کی ضرورت حلاق جیسے نامور مفکرین جدید ریاست کی اصلاح کے لیے محسوس کر رہے ہیں۔ یعنی جدید ریاست کی اسلامائزیشن کے لیے جدید اخلاقی فلسفہ کی تشکیل نو کرنا۔[4] اصولی طور پر اس سلسلہ میں حلاق سے اتفاق کے باوجود اسلامی فلسفہ اخلاق کی تشکیل نو کے مصدر، اخذ شدہ فلسفہ اور اس کی اطلاقی صورتوں میں اختلاف موجود ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حلاق کا مجوزہ فلسفہ اخلاق

حلاق اسلامی قانون اور اسلامی ریاست کے دو پہلوؤں کو بیان کرتا ہے۔

- بحوالہ ماضی، حلاق کے نزدیک پہلی بارہ صدیوں میں اسلام کے سپر پاور ہونے اور اسلامی قانون کے قابل عمل ہونے کی وجہ کسٹمری لاء سے مفاہمت تھی۔ (اسلامی قانون کے لیے تمام معاشرتی ضروریات کی تکمیل اور تمام انسانی طبقات کے حقوق کا تحفظ کرنا اور معاشرتی اقدار و روایات سے ہم آہنگی پیدا کرنا ضروری تھا)۔[5]
- بحوالہ عصر حاضر حلاق نے اسلامی قانون کے دو خواص بیان کیے ہیں۔

1. **تغیر:** اس اعتبار سے حلاق قرون اولی کی اسلامی حکومتوں کی شرعی سزاؤں کے نفاذ کو تغیر سے تعبیر کرتا ہے نیز دوسری تغیر کی وجہ استعماری اثرات کو قرار دیتا ہے۔ بطور حوالہ اپنی کتاب الشریعہ میں 0 ملائیشیاء، مصر، الجیریا، مراکو، پاکستان، ایران اور بنگلہ دیش کی مثالیں پیش کرتا ہے۔[6]
2. **حد بندی:** اس اعتبار سے بقول حلاق اسلامی قانون کو قومی زندگی سے نکال کر فرد کی ذاتی زندگی تک محدود کر دیا گیا۔

گویا بقول حلاق اسلامی قانون کا ذاتی زندگی تک محدود ہو جانا اور شرعی سزاؤں کے نفاذ کے ذریعے استعمال کیا جانا جدید معاشرے سے تعامل و مفاہمت کی راہ میں رکاوٹ بنا۔ تغیر و حد بندی اور جدید قانون و ریاست سے مفاہمت کے لحاظ سے حلاق کے اپنے نظریات میں کافی تضاد موجود ہے[7]۔ تاہم موضوع کی مناسبت سے مختصراً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ بقول حلاق شرع[8] کا ایک بنیادی اخلاقی فلسفہ بھی ہے جس کی وجہ سے یہ موثر کردار ادا کرتی ہے۔ اور اس فلسفہ کی عدم موجودگی میں ریاست کے قانون اور ریاست کی اسلامی و غیر اسلامی حیثیت پر بہت سے سوالات اٹھ جاتے ہیں۔ اور حلاق نے ان پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلم علماء کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ جن میں سے ایک گروہ نے جدید ریاست کے تصور کو اسلامی قرار دیا اور دوسرے گروہ نے غیر اسلامی قرار دیا۔[9] اسلامی قرار دینے والوں نے قرآن و تاریخ سے دلائل دیے اور غیر اسلامی ثابت کرنے والوں نے بھی قرآن و تاریخ اسلامی سے دلائل پیش کیے اور یہ کشمکش آج تک جاری ہے۔ مسلمان آج بھی ریاست مدینہ کا خواب دیکھتے ہیں۔[10] حلاق کے مطابق جدید ریاست کبھی اسلامی نہیں ہو سکتی اور اسلامی ریاست کبھی جدید نہیں ہو سکتی۔[11] جدید ریاست فلسفہ اخلاق سے عاری ہے۔ اور اسلامی ریاست کی بنیاد فلسفہ اخلاق پر ہے۔ حلاق اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جدید ریاست کا فلسفہ اخلاق سے عاری ہونا کسی بھی طرح درست نہیں اسے فلسفہ اخلاق سے ہم آہنگ کرنا ہو گا اور پوسٹ ماڈرن دور میں وہ مغربی فلاسفہ کے حوالے دیتے ہیں کہ پوسٹ ماڈرن ریاست اخلاقی نہج پر قائم ہو گی۔[12] اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ وہ کونسا اخلاقی فلسفہ ہو گا جس پر جدید ریاست کو استوار کیا جائے گا؟ اسلامی فلسفہ اخلاق اور جدید ریاستی میکنزم کے بنیادی فرق سے وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس نہج پر اسلامی ریاست کی تشکیل ایک متضاد امر ہے اور دیوانے کا خواب ہے۔ اسے نظریہ یوٹوپیا بھی کہتے ہیں۔ حلاق فلسفہ اخلاق کو تین طرح سے بیان کرتا ہے۔ اور جدید ریاست کے پانچ بنیادی خواص بیان کرتا ہے۔[13] جن میں سب سے

اہم ریاست کی پہلی خصوصیت ہے۔ حلاق اخلاقی فلسفہ کی اسلامی تعبیر میں اس کی الہامی حیثیت کو جدید ریاست کی مرکزی اقلیم کے خلاف قرار دیتا ہے جو ان دونوں کے متضاد ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ حلاق کے الفاظ یہ ہیں:

"The state is expected to promote Islamic values, including general public interest, the rule of law, freedom and equal opportunity for all citizens, and to "deepen the conception of citizenship. . . . In our understanding of what Islam means, these are [the tasks] that the modern state should accomplish." A subtitle in the document sums it up: "There is no Contradiction between the Nation-State and Islamic Sharīʿa." But surely there is."[14]

اب اس تضاد کا ذکر شمٹ کے الفاظ میں یوں کرتا ہے:

"All significant concepts of the modern theory of the state are secularized theological concepts not only because of their historical Development—in which they were transferred from theology to the theory of the state, whereby, for example, the omnipotent God Became the omnipotent lawgiver—but also because of their systemic structure"[15]

اخلاقی فلسفہ کی ذاتی تفہیم میں خود احتسابی کے عمل کو اہم قرار دیتا ہے[16] اور مستقبل میں اخلاقی فلسفہ کی کامیابی کے لیے تمام مخلوق کے بنیادی حقوق کے تحفظ اور تعمیر و ترقی کے یکساں پر امن مواقع فراہم کرنے کے لیے مذہب کی قید سے آزاد کر دیتا ہے۔[17]

"Dwelling together on earth in peace is certainly a tall order, perhaps another modern Utopia, but subjecting modernity to a restructuring moral critique is the most essential requirement not only for the rise of Islamic governance but also for our material and spiritual survival. Islamic governance and Muslims have no monopoly over crisis."[18]

تاہم ہمارے نزدیک اسلامی نقطہ نظر سے یہ سوال ابھی باقی ہے کہ پوسٹ ماڈرن دور میں کس اخلاقی فلسفہ پر ریاست کی بنیاد رکھنا ہو گی۔ حلاق اس کے لیے جو مفاہمت کا اخلاقی فلسفہ تجویز کرتا ہے وہ در حقیقت سیکولرزم کی ہی نئی شکل ہے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ اسلامی فلسفہ اخلاق و قانون کے علاوہ کہیں انسانیت کی فلاح نہیں ہے مگر مغربی علماء کو چونکہ اسلام سے سخت نفرت ہے اس لیے اس پہلو پر سوچنے کی بجائے وہ اپنا من گھڑت فلسفہ اخلاق تشکیل دیں گے اور خود دیوانے کے خواب کی طرح منظم و مستحکم ریاست کو تلاش کرتے رہیں گے مگر فلاح نہ پائیں گے۔ اگر کچھ اسلامی فلسفہ اخلاق پر لکھیں گے تو ملمع سازی اور فریبکاری عیاں ہو گی۔ حقیقی اسلامی نظام ان سے برداشت نہیں ہوتا۔ ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں۔ سالہا سال سے بھٹک رہے ہیں استحکام و فلاح نہیں پا سکے۔ اسلامی نظام میں آنے کا تجربہ کر کے دیکھنا انہیں گوارا نہیں۔ انہیں ماضی سے سبق سیکھنا ہو گا۔ اور نئے سرے سے قرآن کی تعلیمات پر تحقیق کی بنیاد رکھنا ہو گی۔ قرآن نے خود تدبر و تفکر کی دعوت ان الفاظ میں پیش کی ہے: أَفَلَا

يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ٥[19]"تو کیا وہ قرآن کو سوچتے نہیں یا بعضے دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں" اسلامی

قانون اور جدید ریاست کا باہم تضاد

اسلامی قانون آج بھی پبلک اور پرائیویٹ سفیرز دونوں کو محیط ہے۔ یہ پولٹیسائیزڈ نہیں ہوا تاہم جدید ریاست چونکہ خالصتاً مغربی فکر ہے اور نو آبادیاتی نظام کے بعد قوت بر قرار رکھنے اور آزاد شدہ ریاستوں کو زیر تسلط رکھنے کا جو طریقہ مغربی انتظامیہ نے اپنایا وہ جدید قومی ریاستی تصور تھا اور جدید ریاست چونکہ خالص مغربی پیداوار تھی اس لیے اس تصور کے تحت قائم شدہ کسی بھی ریاست میں اسلامی قانون کے اطلاق کی اجتماعی عملی صورت نظر نہ آئی۔ اسلامی قانون کو پبلک اور پرائیویٹ تصور میں تقسیم کرنے کی کوشش بھی کارگر نہ رہی بلکہ آج تک مغربی طرز پر چلنے والی ہر ریاست سے نفاذ شریعت کی آواز اٹھتی رہتی ہے اور لوگوں نے ریاست سے ہٹ کر اپنے معاملات انفرادی واجتماعی طور پر اسلامی قانون کے مطابق چلا رکھے ہیں۔ اگرچہ جدید قومی مسلم ریاستوں کے حکومتی ادارے اور عدالتیں اسلامی قانون کے اطلاق میں ناکام ہیں تاہم آئین میں باقاعدہ اسلامی قانون کی بالاتری مسلم سمجھی جاتی ہے۔[20] آئین ریاست جدید ریاست کے اثرات سے پاک نہیں رہ سکتا چونکہ یہ خالصتاً جدید مغربی فکر کی پیداوار ہے۔ جدید تصور ریاست، اسلامی پیداوار نہیں ہے بلکہ عالمگیر تصور خلافت اسلامی تصور ہے۔ اس لیے جدید تقاضوں کے مطابق صرف عالمگیر اسلامی ریاست بر منہج خلافت اسلامیہ ہی اسلامی قانون کے اطلاق کی عملی صورت ہو سکتی ہے۔ ماضی قریب میں ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا مودودی، شاہ احمد نورانی، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، سید قطب شہید، اور طلال اسد صاحب نے اسلامی ریاست کے مستقبل اور خلافت کے احیاء پر بہت کام کیا ہے۔ اور باقاعدہ منظم طریقے سے تحریکیں چل رہی ہیں۔ جدید مسلم ریاستوں کے اداروں کا اسلامی طرز پہ نہ ہونا اسلامی قانون کی ناکامی نہیں ہے بلکہ جدید ریاستی تصور کی کامیابی ہے۔ جدید ریاستی تصور کی کامیابی اس کے ادارتی نظام سے ہے۔ جدید ادارتی نظام فلسفہ اخلاق سے عاری ہے۔ اس لیے جدید ریاست بھی فلسفہ اخلاق سے عاری ہے۔ اگر جدید ریاست کو چھوڑ کر اسلامی فلسفہ اخلاق پر مبنی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے تو ممکن ہے وگرنہ جدید ریاست کو اسلامی بنانا ناممکن ہے یہ ایک تصوراتی چیز ہے۔ چونکہ دونوں کی مرکزی اقلیم جدا جدا ہے۔ جدید ریاست اگر اسلامی فلسفہ اخلاق کو اپنا لے تو وہ جدید نہیں رہتی اسی طرح اسلامی قانون اگر جدید ریاست سے ہم آہنگی اختیار (سمجھوتہ) کرے تو وہ اسلامی نہیں رہتا یہ دونوں باہم متضاد ہیں۔[21] اب اصل مسئلہ دونوں کی سینٹرل ڈومین کو سمجھنے کا ہے جو کہ ایک دوسرے کے برعکس ہے۔[22]

حلاق فکر سے موافقت و مخالفت کی توجیح

یہاں حلاق سے اس حد تک تو اتفاق ہے کہ جدید ریاستی تصور نو آبادیاتی نظام کے بعد اقوام عالم پر مغربی تسلط برقرار رکھنے کے لیے پروان چڑھایا گیا ادارے اسی مقصد کے تحت وجود دیے گئے۔ جدید ریاست چونکہ ایک مغربی تصور ہے اس لیے اسے اسلامی بنانا ممکن نہیں۔[23] جبکہ یہاں اختلاف ہے کہ جدید ریاستی تصور اسلامی قانون پر اثر انداز ہوا ہے۔ اسے پبلک اور پرائیویٹ میں تقسیم کر دیا ہے۔[24] یہ درست نہیں ہے۔ جدید مسلم ریاستوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے اور بے چینی کا بنیادی عنصر بہت بڑھ گیا ہے۔ جدید ریاست اپنی بنیادوں سے نہیں ہٹ رہی اور اسلامی قانون اپنی بنیادوں کو نہیں چھوڑ رہا۔ باہم افہام وتفہیم اور سمجھوتہ کی کوششیں بھی کارگر نہیں ہو رہیں۔ حق و باطل کی یہ کشمکش جاری ہے اور حتمی تصادم کی طرف بڑھ رہی ہے۔[25] اسلامی قانون کے نفاذ کے علمبردار کئی ایک مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں جبکہ جدید ریاست کو صرف اسی ایک سوچ کا سامنا ہے عوام کی اکثریت نفاذ شریعت کی متمنی ہے دوسری طرف جدید ریاست کے تسلط سے نکلنے سے عاجز ہے۔ ایک طبقہ جدید ریاست کو ہی اسلامی بنانے کا خواب دیکھ رہا ہے اور دوسرا طبقہ یہ خواب دکھا رہا ہے۔ مگر عملی طور پر ناکام ہو چکا ہے۔ جدید

ریاست کو اسلامی ریاست بنانے کا خواب دیکھنے والا مذہبی طبقہ دو طرح سے مسائل میں گھرا ہے۔ ایک تو روایت پسند دینی فکر کو حکومت میں کوئی دلچسپی سرے سے نہیں اس لیے وہ ان کا ساتھ دینے سے گریزاں ہیں دوسری طرف حکمران طبقہ خود بھی وہی دعوی لے کر چلا ہے جو مذہبی طبقے کا دعوی ہے۔[26] باہم بنیادی فرق ان دونوں کا یہ ہے کہ ایک فکر جدید ریاست کو اسلامی بنانا چاہتی ہے لیکن اس کی تفہیم سے عاری ہے۔ دوسری فکر اسلامی قانون کو اسلامی روایت کے خلاف جدید بنانا چاہتی ہے یہ بھی ممکن نہیں ہے مذہبی طبقہ اس سے گریزاں ہے اگرچہ بیچ میں ایسے لوگوں کی ملمع کاری بھی ہوتی رہی ہے کہ دونوں میں سمجھوتہ کی صورت بنے[27] چونکہ حق و باطل میں افہام و تفہیم فطرت کے خلاف ہے۔ اس لیے تجدد پسندوں کو کامیابی میسر نہ آئی۔[28] حق و باطل کا جدا جدا رہنا امر خداوندی ہے۔ حق کا غلبہ اٹل ہے مگر یہ وقت طلب امر ہے اس لیے اسلامی قانون کے نفاذ کے علمبرداروں کو اپنے فکر و عمل کا صرف جذبات سے نہیں بلکہ ہوش و حواس سے جائزہ لینا ضروری ہے۔

ریاستی امور اور قرآنی فلسفہ اخلاق

ہمارے نزدیک حلاق کا بیان کردہ اخلاقی فلسفہ دراصل سیکولرزم کی ہی نئی شکل ہے[29] اس لیے اس سے قطع نظر ہم یہاں خالص اسلامی فلسفہ اخلاق بیان کریں گے جو **امر بالمعروف ونہی عن المنکر**[30] ہے۔

سیرت انبیاء علیہم السلام سے ہمیں دو سبق ملتے ہیں:

- نظام بنانے کی جدوجہد
- نظام چلانے کی جدوجہد

ہمارا بیان کردہ قرآنی فلسفہ اخلاق **امر بالمعروف ونہی عن المنکر** ان دونوں صورتوں میں فلاح ملت اسلامیہ کے لیے ناگزیر ہے۔ تاہم دوسرے مرحلے میں امر بالمعروف کی بلا امتیاز مذہب، رنگ، نسل اور قوم ایک اعلی اخلاقی و قانونی ذمہ داری عائد کی گئی جو منظم و مستحکم نظام چلانے کے لیے ناگزیر ہے۔ قرآن نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝[31] "بیشک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو" فلاح انسانیت کے لیے قانون عدل کا اطلاق ہمہ قسمی اختلاف سے بالاتر ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝[32] "اے ایمان والوں اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو، وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے" انبیائے بنی اسرائیل کی سیرت سے مذکورہ بالا دونوں ذمہ داریاں جدا جدا سمجھی جاسکتی ہیں۔ حضرت موسی علیہ السلام کی زندگی نظام بنانے کی جدوجہد ہے لیکن نظام چلانے سے متعلق تعلیمات واضح نہیں ہیں۔[33] حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی نظام چلانے کی جدوجہد کی رہنمائی کرتی ہے جبکہ نظام بنانے کی نہیں[34]۔ اسی طرح حضرت طالوت کا بنی اسرائیل میں بطور ملک انتخاب اور کار نبوت کی اس سے الگ تخصیص قرآن میں واضح ہے: وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝[35] "اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا بیشک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے بولے اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہو گی اور

ہم اس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں اور اسے مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے" جبکہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ دونوں پہلو موجود ہیں۔لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ہ[36] کے الفاظ مکی و مدنی زندگی کے دونوں ادوار کو محیط ہیں۔ جن میں سے ایک دور میں مکہ سے نظام الہی کے قیام کی جدوجہد کا آغاز ہے تو دوسری طرف مدنی زندگی میں اس نظام کے اطلاق و تکمیل کا پیغام ہے۔ جسے مختصرا یوں واضح کیا جا سکتا ہے۔

نظام بنانے کی جدوجہد → امر بالمعروف ونہی عن المنکرہ[37]

نظام چلانے کی جدوجہد → اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ ہ[38]

امت مسلمہ کی مجموعی ذمہ داری قرآن نے ان الفاظ میں بیان کی: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِؕ-وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْؕ-مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہ[39] "تم بہتر ہو ان امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر کتابی ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا، ان میں کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ کافر" مذکورہ بالا بحث سے امت مسلمہ[40] کی بہت بڑی ذمہ داری واضح ہو جاتی ہے۔ اور انتظامی و سیاسی امور سے متعلق فلاح ملت کا قرآنی فلسفہ اخلاق بالکل واضح ہو جاتا ہے جو مغربی فلاسفرز و علماء اور سیاسی و قانونی ماہرین کے مجوزہ فلسفوں سے بالکل جدا ہے۔

خلاصہ بحث

اب موجودہ اسلامی ریاستوں کے لیے سب سے بہترین نمونہ ریاست اسلامیہ اولی العالیہ یعنی ریاست مدینہ ہے تو سب سے پہلے **امر بالمعروف** کی دعوت مواخات مدینہ ومیثاق مدینہ سے درس لینے کی رہنمائی کرتی ہے مابعد دیگر مراحل کا لائحہ عمل طے کیا جا سکے گا اور **نہی عن المنکر** کی جدید صورتوں کا جائزہ لیا جا سکے گا۔[41] ملت اسلامیہ کی فلاح کے لیے **امر بالمعروف** کا جدید اخلاقی فلسفہ ہماری قدیم اسلامی روایات و تعلیمات سے ماخوذ ہے یہ کوئی نئی بات یا نیا فلسفہ نہیں ہے بلکہ تھوڑی محنت، سنجیدگی اور غور و فکر سے بآسانی فلاح کی راہ تلاش کی جا سکتی ہے جس پر چل کر کامیابی یقینی ہے اس کے علاوہ تمام فلسفے و راہیں ناقص و نامراد ہیں یہ اب ہمارے اوپر منحصر ہے کہ ہم کیا فیصلہ کرتے ہیں۔

References

[1]Abu Zahra Sheikh, Islami Mazahib, Translator: Prof. Ghulam Ahmed Hariri, Malik Sons, Tajran Kutub karkhana Bazaar, Faisalabad.

[2]Azmi, Dr. Muhammad Asim, Sirat Imam Arbaa (Hayat o elmi Khidmat), Akbar Booksellers Lahore.

[3] https://mubashirnazir.org/p=4088

[4] Wael B. Hallaq, the Impossible State (Islam, Politics and Moral Predicament), Columbia University Press, Published in 2013, pp.7-10

[5] Wael Hallaq, Introduction to Islamic Law, Cambridge University Press, Published in 2009, pp.7-16.

[6] Wael Hallaq, Sharia (Theory, Practice and Transformation), Cambridge University Press, Published in 2009, p.371.

[7] Abdul Basit, A research review of Hallaq's Theory of variation of Islamic law, Oeconomia Copernicana, 2022, Vol. 5, No. 09, pp.661-670.

[8] The meaning of Sharia from the literature of Hallaq and its description is also different from Muslim traditional thought.
[9] Hallaq, Impossible state, pp.5-10
[10] Hallaq, Impossible state, pp.5-10
[11] Hallaq, Impossible state, pp.5-10
[12]Hallaq, Impossible state, pp.100-119
[13]Hallaq, Impossible state, p.29.
[14] Hallaq, Impossible state, pp. 18-25.
[15] Hallaq, Impossible state, pp. 18-25
[16]Hallaq, Impossible state, p.14.
[17] According to Hallaq, the third form of moral philosophy is "Shariah as a moral law", therefore, he presents Shaira as a Moral Law in his writings.(See: Hallaq, Islamic law: History and Transformation.)
[18] Hallaq, Impossible State, pp. 111-119
[19] Muhammad 47:24.
[20] THE CONSTITUTION OF THE ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN [As modified up to the 31st May, 2018], NATIONAL ASSEMBLY OF PAKISTAN.
[21] Hallaq, Impossible state, pp.2-10
[22] Abdul Basit, Modern State and Sharia" Basics, Contradictions and their solution" (A research review of Hallaq's ideas) ,Journal of Positive School Psychology(http://journalppw.com) 2022, Vol. 6, No. 8, pp.6615-6624.
[23] Ibid
[24] Hallaq, Sharia, pp.10-20
[25] Hallaq, Sharia, pp.495-525
[26] It's clear from Manifesto of different religious and political parties.
[27] Sir Syed Ahmad Khan, Rasheed Raza and Mustafa kamal are included in modernists.
[28] Manj, Muhammad Shahbaz, Doctor, Islamic Thought and its Influence in the Islamic World, Al Qamar Publications Lahore, 2016, p. 297
[29] Hallaq, Impossible state, pp.110-119.
[30] Al-Imran 03:110.
[31] Al-Nahal 16:90.
[32] Al-Maydah 05:08
[33] Al-Aaraf 07:103-128
[34] Al-Yousif 12:55.
[35] Al-Baqarah 02:247
[36] Al-Ahzab 33:21.
[37] Al-Imran 03:110.
[38] Al-Nahal 16:90.
[39] Al-Imran 03:110.
[40] There are different interpretations of "Imagination about Umma" in Halaq's books. One aspect of which is mentioned in our article. See: Abdul Basit, A research review of Hallaq's theory of variation of Islamic law, Folia Linguistica, Vol. 15, No. 03, 2022, pp.70-82
[41] In this regard, the international organizations of Dawah and Tabligh, such as Dawat-e-Islami and Tablighi Jamaat, can play an important role, provided that they resolve mutual differences.